بینش فاطمہ
اسکالر پی ایچ ڈی اُردو
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اقبال کے نظامِ فکر میں اعلیٰ اقدار کی عکاسی: ایک جائزہ

Allama Mohammad Iqbal is named in the list of those celebrities whose abilities are accepted all over the world and a lot of people seek guidance from His wisdom. Iqbal is a versatile genius. It is too difficult to determine the depth of his visionary thoughts. He is the poet of entitled vision and seems as the torch bearer of moral values and ethics. He follows the teachings of the Holy Quran and believes the Holy Prophet (PBUH) as his mentor. That's why he is clear in his concepts. He studied both the philosophies of east and west and analyzed their worth. Then he cleared all the concepts of those philosophies to the Muslims. Iqbal presents Islam as a role model for all. In the light of Quran, Sunnah, Islamic history and philosophy, he has depicted the moral values like good deeds, character building, peace and love. He has the honour of making the Muslims aware of high moral values. Indeed, from literary writings to vision he is the only poet who has made his own world and that is his prestige.

علامہ اقبال کا شمار ان چند علمی وادبی شخصیات میں ہوتا ہے جن کی عظمت ساری دنیا میں تسلیم کی جاتی ہے اور ہر جگہ ان کی عالمگیر دانش سے فیضان حاصل کیا جاتا ہے۔برصغیر پاک وہند میں سیاسی، تہذیبی اور اجتماعی شعور کا ایک خاص تاریخی پس منظر ہے۔انیسویں صدی اور خصوصاً اس صدی کا نصف آخر برصغیر کی تاریخ کا ایک ایسا پر آشوب دور ہے جس میں سماجی اور سیاسی خلفشار اپنے عروج کو پہنچ گیا۔یہاں عمرانی اور معاشرتی اقدار انتشار کا شکار ہو گئیں۔ان حالات میں جن دانشوروں نے قومی ترقی کی حرکیات پر غور کیا، ان میں علامہ اقبال کا نام نہایت اہمیت کا حامل ہے۔اقبال ایک ہمہ جہت

تخلیق کار ہیں۔ان کے فکری مآخذ کی کھوج لگانا قدرے مشکل کام ہے۔ خصوصاً جب کہ ان کی فکر تخلیقی بھی ہے اور ارتباطی بھی۔ تخلیقی ان معنوں میں کہ انھوں نے اپنے عہد کو اپنے فلسفہ حیات سے ایک نئی سمت بخشی اور ارتباطی اس مفہوم میں کہ انھوں نے اپنی فکر میں مشرق اور مغرب کے افکار کو اپنے تخلیقی نظریے کے حوالے سے ایک نقاد کی نظر سے دیکھا اور دقیق نظریات میں تخلیق کا تڑکا لگا کر ایک ایسے جہان کی تخلیق کرنے کی کوشش کی جہاں ہر اعتبار سے انسانیت کے لیے اعلیٰ ترین ماحول پیدا ہو سکتا ہے۔اقبال ایک مخصوص فکر (Vision) کے شاعر ہیں اور اعلیٰ اقدار کے داعی رہتے ہیں کیونکہ اعلیٰ اقدار ہی انسانیت کے پنپنے کا ماحول پیدا کرتی ہیں۔

اقدار ''قدر'' کی جمع ہے اور قدر سے مراد کوئی ایسا اصول، نظریہ یا کوئی بھی چیز ہے جس کا تعلق عقیدے یا روحانی نظام فکر سے ہو۔اعمال کی بنیاد نیت اور فکر پر ہوتی ہے۔حیات انسانی میں فکر کی جولانی ہی سے عمل کو تابانی ملتی ہے۔ظواہر کے اس جہان میں باطنی کیفیات کے اثرات ایک مثبت اور ناقابل تردید امکان کی طرح موجود رہتے ہیں۔اقدار عملی زندگی میں منور ہو کر اس وقت نکھرتی ہیں جب فکر و عمل کے مابین رابطہ سربلند اعتبار کا پیش خیمہ بنتا ہے۔اس طرح حیات انسانی اپنے جواہر کا اثبات کراتی ہے۔ چنانچہ ہم کسی بھی چیز سے متعلق اپنے جذبات یا احساسات کا اظہار کرتے ہیں اور اس سے اپنے احساس و عمل کو وابستہ کرتے ہیں۔تو یہی وابستگی قدر کہلاتی ہے اور انہی اقدار کو ہم اپنی زندگی کے بنیادی عوامل میں شامل کرتے ہیں کیونکہ ہر عمل کے پیچھے کوئی مخصوص قدر موجود ہوتی ہے۔اس لیے قدر نام ہی ایسی چیز کا ہے جس کے ساتھ ہمارا تعلق احساس، جذبے یا دلچسپی کا ہو۔

مولانا حفیظ الرحمن لکھتے ہیں:

''اقدار کا نظام انسانی زندگی کو ایک مربوط شکل دیتا ہے۔اسے اخلاقی نظام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ارسطو نے کہا ہے کہ جس علم میں انسانی کردار پر اس حیثیت سے بحث کی جائے کہ ہ ثواب یا خیر ہے یا خطا وشر اور اس طرح بحث کی جائے کہ یہ تمام ثواب وخطا اور خیر وشر کے مرکب نظام اقدار کی شکل میں آجائیں تو اس علم کو الاخلاق کہتے ہیں۔''(۱)

اقدار کی اس تعریف کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہیں ہو گا کہ نظام اقدار دراصل نظام اخلاق کا ہی دوسرا نام ہے۔حیاتِ انسانی میں اخلاقیات کی اہمیت مسلمہ ہے اس لیے اقدار کو انسانی زندگی

میں اساسی حیثیت حاصل ہے۔ ہر نظام فکر میں اخلاق مختلف اصولوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہی اخلاقیات اسی فکری نظام کی اقدار ہوتی ہیں۔ مثلاً اسلامی نظام میں تصورِ خیر وشر بنیادی قدر ہیں۔ حق وباطل کی آمیزش میں اسلام ہمیشہ سچائی کی منزل کی طرف راہنمائی کرتا رہا ہے۔

علامہ اقبال کے دل ودماغ میں سیرت طیبہ اور قرآن پاک کے روشن وواضح اصول کارفرما تھے۔ اسی لیے انھوں نے مغرب ومشرق کے فلسفے کے بنظر غائر دیکھا اور ان کے مقام امتِ مسلمہ پر واضح کرتے گئے۔ اقبال مشرق ومغرب کے فلسفیوں کو کوتاہی فکر اور ذہنی شعلہ سامانی کے لیے تعقل پرستی سے دوری اور انقطاع کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اسلامی شریعت کے پرسکون پیغامات سے ان کی روحوں کی تشنگی کو فرو کرنے کی کوشش کہتے ہیں۔

از من اے بادِ صبا گوئے بدانائے فرنگ
عقل تابال کشو و است گرفتار تر است
برق را ایں بجگرمی زند آں راکند
عشق را عقل فسوں پیشہ جگر دار تراست
چشم جز رنگ گل ولالہ نہ بینید ورنہ
آنچہ در پردہ رنگ است پدبدار تراست

اقبال فکری طور پر تاویلوں اور تعقل پرستیوں سے سخت بیزار اور متنفر تھے۔ انھوں نے تصوف کی لاش کو سرِعام رکھ کر اس عمل تقطیع کیا اور اسلامی زبان میں راسخیت اور عرفان نفس کی تعلیمات سے معاشرہ اور تہذیبی وراثتوں کو جلا بخشی۔ وہ شریعت اور ابلاغ قرآن کے سلسلے میں ایسا انداز بیان اختیار کرتے ہیں کہ جس سے حسین وخوبصورت خطابت کے ہزاروں پرسکون اور طمانیت بخش عنوانات ملتے ہیں۔ وہ ہر حال میں عقل سلیم اور عشق کی وارفتگی کے قائل ہیں۔ اسی نظریہ کی بنا پر ان کے کلام میں واضح علامتیں ملتی ہیں۔ ان کے نظام فکر میں استوار ہونے والی اقدار بنیادی طور پر اسلامی افکار سے مستعار ہیں۔

بقول خلیفہ عبدالحکیم:

"اقبال قرآن کا شاعر اور شاعر کا قرآن ہے۔"[۲]

تعقل پرستی اور فکری آوارگی کے لیے وہ رازی اور عشق یقین کامل جذب صدق کے لیے رومی کے ناموں کی مصطلحات عام استعمال کرتے ہیں۔عشق صادق اور تعقل پرستی کے انتہائی کرب انگیز جنم سے دور وہ عارف رومی کو نہایت بلند مقام اور پرسکون عقیدوں کی علامت گردانتے ہیں۔

نے مہرہ باقی نے مہر بازی
جیتا ہے رومی ہارا ہے رازی

اقبال کی شخصیت کے تخلیقی عناصر جن سے اقبال میں ایک خاص قسم کی گونہ گو رنگا رنگی پیدا ہوئی۔ان عناصر نے اقبال کو ان کے ہم عصروں سے زیادہ دل آویز بحث کشش اور جاذب نظر بنا دیا۔ ان عناصر کا تعلق اقبال کی علمی وادبی اور تعلیمی کوششوں سے بہت کم ہے۔اقبال کی شخصیت میں جو جامعیت، بلند فکر وخیال، سوز، درد، کشش اور جاذبیت نظر آتی ہے ان کا تعلق اقبال کی زندگی کے اس رخ سے ہے جسے ہم یقین وایمان کہتے ہیں۔

کسی بڑے تخلیق کار کا کسی کتاب یا مصنف سے متاثر ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ورڈز ورتھ پر ملٹن کا بہت اثر ہے۔کیٹس شیکسپیئر کو اپنا نگران فرشتہ تصور کرتا ہے۔ایلیٹ پر دانتے کی طربیہ ایزدی کا سایہ آغاز سے لے کر انجام تک چھایا ہوا ہے اور ییٹس (Yeats) اپنے آپ کو ولیم کا نیا جنم تصور کرتا تھا۔کسی کتاب یا مصنف سے شعوری طور پر متاثر ہونا ایک بات ہے اور اسے تحت الشعور کے اندر جذب کرنا دوسری بات۔تحت الشعور کی سطح پر کتاب یا انسان کا اثر جب جزوِ شخصیت بن جاتا ہے تو یہ اثر قبول کرنے والے کے اندازِ فکر کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔وہ سوچتا ہے تو اسی زاویہ نگاہ سے سوچتا ہے اور دیکھتا ہے تو اسی عینک سے دیکھتا ہے۔اس کے سانچے اور پیمانے اور حسن وقبح اور خوب وناخوب کے معیار بھی اسی منبع فیضان سے برآمد ہوتے ہیں۔اگر وہ شاعر اور ادیب ہے تو اس کا نظریہ شعر، اس کی لفظیات، اس کا اسلوب، اس کی علامتیں اور اس کے استعارے بھی اسی رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ قرآن کے ساتھ اقبال کا تعلق اسی نوع کا ہے۔قرآن اقبال کے لیے دنیا کی کتابوں میں سے ایک کتاب نہیں بلکہ "الکتاب" ہے۔اقبال کی شاعری میں جو اذعانات کارفرما ہیں، ان کا سرچشمہ ان کی قرآنی فکر ہے۔ ان کے فن پر بھی نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے قرآن کی گہری چھاپ ہے۔ اسلامی معاشرے کی تشکیل بھی قرآن پاک کی مرہون منت ہے۔اس عظیم ترین الہامی کتاب کی روشنی میں

اسلامی اقدار اور فکر اقبال میں مطابقت کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ فکر اقبال کلامِ الٰہی میں اوج کمال تک پہنچتی ہے۔ وہ مشاہدہ کائنات کو قرآنی تعلیمات اور ارشادات نبویؐ سے ماخوذ قرار دیتے ہیں۔اسی سلسلہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"تعلیمات قرآنی کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے حقیقت کے اس پہلو کو جس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، بڑی اہمیت دی۔"[۳]

قلب مومن راکتابش قوت است
حکمتش حبل الورید ملت است

قرآنِ حکیم میں اسلامی اقدار کے بارے میں نمایاں نشاندہی یوں کی جا سکتی ہے۔

"ہم نے آسمانوں اور زمین کو ان کی روحانی چیزوں کو بغیر مصلحت کے پیدا نہیں کیا۔"[۴]

اقبال کہتے ہیں:

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

قرآن پاک میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

"حمد وشکر اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔"[۵]

اور اقبال نے اپنے وجدان توحید کو لفظی جامہ اس طرح پہنایا:

فرد از توحید لا ہوتی شود
ملت از توحید جبروتی شود
ہر دو از توحید می گیرد وکمال
زندگی ایں را جمال آں را جمال

طریقہ نبویﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اقبال نے بہت سے تصورات کو نئے معانی ومفاہیم سے آشنا کیا۔عقل، علم، عشق، خودی، مومن، تقدیر اور ہجرت اس میں نمایاں طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کی شبیہ کاری اور پیکر تراشی کے تین اہم ماخذ ہیں: قرآن وسنت، تاریخ اور عالم فطرت۔اقبال نے نور قرآن سے ایک صدی سے زیادہ مدت پر محیط شب تاریک کو سحر کے نور سے آشنا کیا ہے۔

بگو از من تو اخوان عرب مارا
بہائے کم نہادم لعل رب مارا
ازآں نورے کہ از قرآن گرفتم
سحر کردم صدو سی سالہ شب مارا

اقبال کا نظام اقدار قرآنی افکار کے انوار سے نمو پاتا ہے۔اس بنیادی بات کے بعد اقبال کے نظام اقدار پر نظر ڈالتے ہیں۔

اقبال کے نزدیک تمام انسانی قدریں خدا کی واحدانیت کے راستے کو ہی اختیار کرتی ہیں جو کہ مذہب کی اساس ہیں۔چونکہ اقبال کا فلسفہ بنیادی طور پر مذہب سے منسلک ہے۔اس لیے انھوں نے بجا طور پر مذہبی سچائی کو ہی دنیا کی سب سے بڑی قدر قرار دیا ہے۔اقبال کے نزدیک مذہب ہی اعلیٰ اقدار کے نظام کا پیش خیمہ ہے۔اسلام ہر نظام سے بہتر نظام ہے۔اور یہ امر بھی مبنی بر حقیقت ہے کہ باقی قدریں انسانوں کی بنائی ہوئی ہیں۔جو کہ غلطیوں سے مبرا نہیں مگر اللہ کا نظام ہر خطا سے پاک ہے اور اس کو ساری طاقتیں تسلیم بھی کر چکی ہیں۔اسلامی اقدار کے نظام کا منبع قرآن پاک ہے۔اقبال مذہب کے متعلق وسیع الظرف نظریہ رکھتے ہیں۔علاقائی، نسلی، لسانی، گروہی تمام تعصبات سے ماورا ہو کر صرف دین حق کی وابستگیوں سے متعلق ہو کر زیست کرنا ان کا شعار رہا۔ان کے نزدیک مذہب ایک ایسی طاقت ہے جو آزادی بخشتی ہے اور وقار عطا کرتی ہے۔اقبال کے فلسفہ اقدار میں اللہ کی واحدانیت پر ایمان تمام مذہبی اقدار سے برتر ہے:

نغمہ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

اسلام سرتاسر ایک فعال حیثیت کا مبلغ ہے۔وہ انسانی شرف کے لیے ایسے واضح اصولوں کی تعلیم دیتا ہے کہ جس سے زیست اور کاروبار زیست عین شعائر اسلامیہ کا مظہر بن جائیں۔وہ محکمات دینیات میں قطعا قیاس وتردد کو گوارا نہیں کرتا اور معاشرت ومعیشت کے لیے اخلاق حسنہ کا درس دے کر ایسا معاشرہ عالم وجود میں لاتا ہے کہ جس میں زندگی بے مصرف نہیں ہے۔وہ توفعالیت کا علمبردار ہے اور دین ودنیا کو متوازن رکھنے کے لیے سفر حیات کو نئی نئی منزلوں کا سراغ دیتا ہے۔قنوطیت یاسیت

اس کے درسیات سے خارج ہیں۔انسان جیسے اعمال کرتے ہیں اس کا اسی طرح اجر ملے گا اور یہی فطری اصول ہیں جو ہر دور میں روحِ عصر نظر آتے ہیں۔

اقبال کی ہمہ جہت فکری سلاست روی انہی آشوب کاریوں سے الجھتی ہے۔وہ ملت بیضا سے ناامید نہیں، وہ تو ہر حال میں مسلمانوں کے اندر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا شکوہ اور شہامت نفس دیکھنا چاہتے ہیں:

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اس سلسلے میں اسلام نے اقبال کو ایسی وسعت نظر عطا کی ہے کہ وہ بلا امتیاز دنیا کے ہر مذہب اور فلسفے کو انسانیت کا مشترکہ ورثہ تصور کرتے ہوئے اس کا اعتراف کرتے ہیں۔حکمت کی ہر بات اقبال کے نزدیک مومن کی متاع گمشدہ ہے۔ہندو، یہودی، اشتراکی، عیسائی اور زرتشی سبھی پر اقبال کی گہری نظر ہے۔دنیا کا یہ آخری مسلم فلسفی اور عصر حاضر کا سب سے کشادہ دل مفکر ہر روحانی ومادی فلسفہ ونظریہ کا مثبت مطالعہ کرتا ہے اور جہاں سے کوئی بھی کام کی بات ملتی ہے۔اپنے دامن میں سمٹ لیتا ہے۔ان کے نزدیک عالم افکار میں اسلام کا امتیاز یہ ہے کہ سب سے پہلے اسی مذہب نے انسانیت کو تخیلات اور اساطیر کی دنیا سے نکال کر مشاہدہ وتجربہ کی راہ پر گامزن کیا اور محض ظنی ونظری کے بجائے حقیقی وعملی طریقوں کی طرف مائل کیا۔اسلام کا یہی رویہ اقبال نے اپنے بسیط وعظیم اور رفیع وعمیق تفکر میں اختیار کیا۔چنانچہ انھوں نے منطقی تجزیہ کر کے جو نتائج نکالے ہیں وہ انسانیت کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتے ہیں۔فکر اقبال کا سب سے بڑا امتیاز اس کا توازن اور جامعیت ہے۔ان کی توحیدی فکر نے فلسفے کے سارے افکار کو ایک بنیاد پر استوار کرنے کے ساتھ ساتھ ایک جہت دے دی ہے۔ازل سے ابد تک کا احاطہ کر کے عصر حاضر میں صرف اقبال نے دنیائے فلسفہ کو ایک کائناتی نظریہ اور آفاقی نظام عطا کیا ہے اور اپنی قوم کے سامنے اعلیٰ اقدار کی عکاسی اس خوبصورتی سے کی ہے کہ اس وحدت افکار کا رخ وحدت کردار کی طرف ہے۔تاکہ جدید صنعتی دنیا ایک بین الاقوامی طرز اخلاق سے آشنا ہو کر اپنے تفرقوں کو ختم کر سکے اور ارتقائے انسانیت کی حقیقی منزل کی طرف اپنا قدم اٹھا سکے:

زمانہ ایک ، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصہٗ جدید و قدیم

اقبال اخلاقی قدروں کا منبع بجا طور پر اسلام کو ہی قرار دیتے ہیں۔نیکی، راست بازی، خیر اور محبت ایسی لازوال اخلاقی اقدار ہیں جو اسی عظیم مذہب کی دین ہیں۔اقبال کہتے ہیں کہ اسلام دنیا کے ہر گوشے اور شعبے کو حقیقت پسندانہ نظریہ حیات عطا کرتا ہے۔اخلاق سے کردار کی تعمیر ہوتی ہے اور اس کے لیے فرمان خداوندی قرآن پاک کی صورت میں ہماری رہنمائی ورہبری کے لیے موجود ہے۔

آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لایزال است وقدیم
نوعِ انساں را پیامِ آخریں
حامل اور رحمت اللعالمین

اسلام میں ملت کا تصور تمام مسلمانوں کے اتحاد کا مظہر ہے۔ یہ اتحاد ایک معاشرے کی تشکیل کرتا ہے۔اسلام میں پوری دنیا کے مسلمان ایک عالمگیر معاشرے کے رکن ہیں جس کا قبلہ اسلام ہے۔ اس لحاظ سے اسلامی ملت ہمارے لیے معاشرتی ورثوں کی امین ہے۔ اقبال کے نزدیک ملت اور قومیت کا تصور بھی اسلام کے عین مطابق ہے۔

محمود رضوی اقبال کے اسی تصور کو بیان کرتے ہیں:

”اقبال اس فلسفہ حیات سے بیزار ہیں جو ملت کو اس کے مقام سے گرا دے اور اس تعقل پرستی سے پناہ مانگتے ہیں جس میں قیاس آرائیوں کے بے ثبات دلائل کارفرما ہوں، اس جنوں انگیز جذبوں کو پسند کرتے ہیں جو سودوزیاں سے بے نیاز ہو کر انسان کو روشن تر منزلوں کا سراغ دیتے ہیں۔“(۵)

اقبال نے جہاں کہیں اتحاد کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے مراد بین الاقوامی اتحاد اسلامی ہے جو بڑھتی ہوئی سامراجیت کے خلاف ایک سیاسی فصیل بن سکے۔اقبال فرماتے ہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمی

ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

اقبال کا مثالی معاشرے کا نظریہ بے حد وسیع مفاہیم کا حامل رہا ہے۔ سیاست اس کا جزو لاینفک ہے اور اسی لیے اقبال ملت کے سیاسی منظر نامہ کو زبان، رنگ، نسل، علاقہ اور اسی قبیل کے تمام تعصبات سے پاک کر کے ایک ملت کے تصور کو اجاگر کرتے ہیں۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

اقبال انسان کی معاشرتی اہمیت اس کی معاشی حیثیت کے حوالے سے نہیں بلکہ اس کے اخلاق اور معاشرتی کردار کے لحاظ سے متعین کرتے ہیں۔ان کے نزدیک غریب ہونا کوئی ذلت نہیں نہ ہی غربت یا امارت کی کسوٹی پر انسان کو پرکھنا ان کے نزدیک درست ہے۔معاشی سطح پر اقبال کے نظام اقدار کی کلید اسلام کے عالمگیر اصولوں کی عطا کردہ نوید سے متشکل ہوتی ہے۔سرمایہ دارانہ نظام کی پیدا کردہ خرابیوں پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات

''علم الاقتصاد''میں اقبال اس طرح رقمطراز ہیں:

''کیا یہ ممکن نہیں کہ ہر فرد مفلسی کے دکھ سے آزاد ہو؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ گلی کوچوں میں چپکے چپکے کراہنے والوں کی دلخراش صدائیں ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائیں اور درد مند دل کو ہلا دینے والے افلاس کا درد ناک نظارہ ہمیشہ کے لیے صفحۂ عالم سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے۔''(۶)

اقبال بیسویں صدی میں ملت اسلامیہ کے ذہن کے اولین معمار ہیں۔اسلامی فکر کی تشکیل

جدید اور وقت کے فکری اور جذباتی رجحان کو تبدیل کرنے میں ان کا حصہ سب سے نمایاں ہے۔علامہ اقبال کے نزدیک اعلیٰ اسلامی اور اخلاقی قدروں میں تعلیم کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ کہیں کہیں وہ نظام تعلیم کی دین سے لاتعلقی پر بھی نالاں دکھائی دیتے ہیں۔وہ علوم جدیدہ کو اسلامی احکام وتعلیمات کے تتبع کا نتیجہ اور مسلمان سلف کا ترکہ ومیراث قرار دیتے ہیں بلکہ موجودہ دور کے مسلمانوں کو ان کے حصول کی نہایت پر اثر انداز میں ترغیب بھی دیتے ہیں۔انسان دنیا میں نہایت الٰہی کا مستحق اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ عناصر فطرت کو اپنا محکوم بنا لے کہ قدرت کی یہ طاقتیں اس کی خدمت میں ایک ادنیٰ نوکر کی مانند دست بستہ حاضر اور اس کے اشارہ چشم وابرو کی منتظر رہیں اور یہ سب اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب انسان مختلف علوم سے واقفیت رکھتا ہو، خلائوں کو تسخیر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔خدائے پاک نے اس کائنات میں ان گنت اشیاء پیدا کی ہیں، اگر انسان ان کے اسرار رموز سے واقف ہو کر ان پر قابو جائے تو یہ واقفیت انسان کے لیے بہت بڑا ہتھیار ثابت ہو گی۔انھوں نے نوجوانوں کو مخاطب کر کے علوم جدیدہ سے آگاہی کا درس دیا اور جو نوجوان یورپ کی چکا چوند سے متاثر ہو کر اس جگمگاہٹ کو یورپ کی ترقی کا راز سمجھ رہے تھے، ان کی آنکھوں کی اس خیرگی کو اقبال نے دور کیا اور مغربی ممالک کی ترقی کے راز سے پردہ اٹھایا۔وہ کہتے ہیں:

"یورپ کی طاقت وقوت نہ تو چنگ ورباب سے وابستہ ہے نہ پیانو اور گیتار سے، اس کی عظمت وشوکت کا تعلق نہ تو سیمیں بدن، بے حجاب لڑکیوں کے رقص سے ہے اور نہ حسین وخوبرو خواتین کی عریاں بانہوں اور کٹے ہوئے گیسوئوں سے۔اس کی ترقی کا سبب بے حیائی، عریانی وفحاشی نہیں ہے۔اس نے مذہب کو خیرباد کہہ کر اور لاطینی رسم الخط کو اپنا کر ترقی نہیں کی ہے افرنگ کے عروج، غلبہ وتسلط کا رازیہ ہے کہ اس نے اشیاء کی حقیقتوں کا سراغ لگایا، مظاہر فطرت اور آثارِ کائنات کو مسخر کیا۔مختصر یہ کہ علم وفن کی آتشِ فروزاں سے اس کے چراغ روشن ہیں۔"(۷)

اقبال جدید علوم کے مداح ہیں۔وہ انہیں علم اشیاء وحکمت کا لقب دیتے ہیں اور ان کی عظمت وفضیلت کے گن گاتے ہیں۔انہیں خیر کثیر بتاتے ہیں۔وہ مسلمانوں کو ترغیب دیتے ہیں کہ تعلیم حاصل کریں تاکہ مغربی قوموں کے شانہ بشانہ ترقی کی دوڑ میں حصہ لے سکیں۔یہ کہا جا سکتا ہے کہ اقبال کی تعلیمی اقدار تعمیر خودی اور اخلاق وکردار کی فلاح واصلاح کا ذریعہ بنانے پر مشتمل ہے۔ان مختلف

حوالوں سے ہم ان کے نظام اقدار کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ اقبال اقدار کو چاہے وہ مذہبی ہوں یا سیاسی، معاشی ہوں یا معاشرتی، اخلاقی ہوں یا تعلیمی، کردار کی تعمیر کا موجب گردانتے ہیں۔ تعمیر کردار ہی ان کے پورے نظام اقدار، کی اساس ہے اور یہی شرف انسانیت ہے۔ اقبال کا فلسفہ حیات سعی پیہم اور جہد مسلسل سے عبارت ہے۔ وہ انسانی زندگی کو مسلسل جدوجہد سے تشکیل پاتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی

برگساں کی طرح اقبال کے نزدیک بھی علم انسانی کے دو ذرائع ہیں۔ ایک عقل اور دوسرا وجدان۔ اقبال نے ان دونوں کی ماہیت، ان کے باہمی تعلق، ان کی مشابہت اور ان کے تضاد کے متعلق جابجا بحثیں کی ہیں اور بحیثیت مجموعی وجدان یا عشق کو عقل پر ترجیح دی ہے۔ حیات وکائنات سے عشق کا تعلق محض علم واحتساب کا نہیں بلکہ فطرت اور کائنات میں بہت سی ایسی قوتیں بھی جن کا عشق کو مقابلہ کرنا ہے۔ انسان کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ وقت کے خاموش بہاؤسے سبق حاصل کرے اور زمانے کے اس دور کو قرآن کی تعلیم کے مطابق مسخر کرنے کی کوشش کرے۔

اقبال کے ہاں تمام اعلیٰ اقدار میں ''خودی'' کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ خودی کا مرکز انسان کی ذات اور اس کا استقلال واستحکام ہے۔ فرد اپنے شعور وکردار ہی کی بدولت سماج اور خدا دونوں سے رشتہ قائم کر سکتا ہے۔ یہ دوکنارے نہ صرف اس کی حدود متعین کرتے ہیں بلکہ اسے ہر قسم کی ترقی کے میدان میں آگے بڑھنے کا موقع اور حوصلہ عطا کرتے ہیں۔ اس طرح انسان سے خدا کا جو رشتہ بنتا ہے اس کو صوفیائے کرام نے عشق حقیقی کا نام دیا ہے۔ خدا کی یہ محبت خودی کے لیے پیام فنا نہیں، تازیانہ بقاء ہے۔ خودی کا اثبات کیے بغیر بقائے رب کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اپنی حقیقت کے بعد مشیت کی آگہی انسان کو مشیت سے اس طرح وابستہ کر دیتی ہے کہ بندہ مومن کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے اور تقدیر کا راز راز نہیں رہتا۔ احکام الٰہی کی پابندی سے ایک واقعہ بن جاتا ہے۔ خدا کی محبت اس کی اطاعت سے حاصل ہوتی ہے۔ شریعت بھی یہی ہے اور طریقت بھی یہی۔

جوہر زندگی ہے عشق، جوہر عشق ہے خودی
آہ کہ ہے یہ تیغ تیز پردگیٔ نیام ابھی

تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
ناداں جسے کہتے ہیں تقدیر کا زندانی

اقبال کے نزدیک حالات کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوں، ناامیدی کی انسان کی زندگی میں کوئی جگہ نہیں۔زندگی کا اصول قنوطیت نہیں، رجائیت ہے۔رحمتِ خداوندی پوری کائنات پر محیط ہے۔قدرت کا کارخانہ ایک تنظیم سے چل رہا ہے۔یہ گردش ایام ہے جو ایک قانون مکافات پر مبنی ہے۔جو فرد یا گروہ خودی میں بہتر تبدیلی کر لیتا ہے۔زمانے کی کروٹ اس کے حق میں بدل جاتی ہے اور وہ صاحب زمان، شوارِ شہب دوراں اور مرکب ایام کا راکب ہوتا ہے۔جس کی خودی جاندار ہو۔اس کی آرزو حالات پر غالب آجاتی ہے۔وہ مثبت کا وسیلہ کار اور مقصود بامراد اورکامران ہے۔تشکیک نہیں، یقین کلید حیات ہے۔

تن بہ تقدیر ہے آج ان کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر

مہر ومہ وانجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر

نہ ہو جلال تو حسن وجمال بے تاثیر
نرا نفس ہے اگر نغمہ ہو نہ آتش ناک

خودی کا نقطہ اول بھی خدا ہے اور نقطہ آخر بھی وہی۔انسان ازل اور ابد کے درمیان کائنات کا سب سے اہم وجود ہے۔انسان کی خودی کے سامنے دو ہی راستے ہیں، یابندۂ خدا بن کر تسخیر کائنات کرے یا بندۂ زمانہ بن کر نہایت حقیر وپست اغراض ومفادات کی گدائی کرے۔

ناوک ہے مسلماں، ہدف اس کا ثریا
ہے سر سرا پردۂ جاں نکتۂ معراج

یہ بندگی خدائی، وہ بندگی گدائی
یابندۂ خدا بن، یابندہ زمانہ

خودی کا مردِ کامل خیر البشر ہے۔ اس کی شخصیت میں یقینا خدا کی محبت جوہر اصلی ہے۔ مگر اس جوہر کو چمکانے اور عالم تاب بنانے والا عنصر اطاعت الٰہی ہے۔ معرفت نفس، محبت خدا، اطاعتِ خالق اور خدمتِ خلق کی ترکیب سے تسخیر کائنات اور ارتقائے حیات کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں خیر البشرؐ اور ان کے اصحابؓ کا تاریخی نمونہ پوری انسانیت کا مشترک ورثہ ہے۔

اقبال عالمگیر انسانی معاشرے کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے رنگ، نسل یا علاقہ کی بنا پر کسی تعصب کو ناروا گردانتے ہیں۔ ان کے نزدیک شرف انسانیت بہت اہم ہے۔ درویشی یعنی بے نیازی پر مبنی فقیری کو اقبال تحفظ خودی اور تعمیر کردار کا موثر ترین ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ زندگی سے بیزاری اور لاتعلقی کا درس نہیں دیتے بلکہ زندگی کو بھرپور انداز میں بسر کرنے کا سبق دیتے ہیں اور تسخیر کائنات کو فقر کا کمال دیتے ہیں۔

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرارِ جہانگیری
اک فقر سے قوموں میں مسکینی ودلگیری
اک فقر سے مٹی میں خاصیت اکسیری
اک فقر ہے شبیری، اک فقر میں ہے میری
میراث مسلمانی سرمایہ شبیری

مطلب یہ ہے کہ جب دنیا کی محبت سینے میں جوان ہو جاتی ہے اور فقر سے بیزاری ہونے لگتی ہے تو شکاری خود شکار ہونے لگتا ہے۔ یعنی عملی قوتوں میں ضعف اور افسردگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ کی ذات سے بھروسا اٹھ جاتا ہے۔ پھر مسکینی ودلگیری کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے۔ لیکن دل جب غنی ہو جاتا ہے، فقر محبوب ہونے لگتا ہے، عارضی وفانی دنیا کی حقیقت کا ادراک ہو جاتا ہے تو کائنات کی ہر قوت سرنگوں ہو جاتی ہے۔ یہی مسلمانوں کی میراث ہے، حضرت امام حسینؓ کا سرمایہ حیات ہے۔

اقبال کے فکر انگیز کلام نے اردو کو موضوعی اور فنی ہر دو اعتبار سے وہ عظمت ووقعت عطا

کی کہ اس زبان کا شمار دنیا کی بڑی زبانوں میں ہوتا ہے۔اقبال اردو کے ایسے منفرد شاعر ہیں جن کے یہاں شعر اور فکر گھل مل کر ایک ہو گئے ہیں۔وہ انسان کی عظمت کے قائل ہیں۔اس لیے انسان کو آسمان کی بلندیوں پر پرواز کرتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں۔انھوں نے اسلامی تعلیمات کو اپنی فکر کی اساس اس لیے بنایا ہے کہ وہ انسان کو اس کے حقیقی مقام اور مرتبہ کا احساس دلانا چاہتے ہیں۔اقبال نے مشرق کے سوئے ہوئے ذہن جگانے کے لیے اپنی فکر کی جولانیوں اور خیالات کی بلندی سے پیامبری کے فرائض انجام دیئے۔یقینا اقبال کا یہ پیغام شاعری میں رونما ہوتا ہے اور اقبال ایک شاعر کی حیثیت سے ہی پہچانے جاتے ہیں لیکن ایک پیغامبر جس کا مقصد انسانیت کی فلاح اور اصلاح ہے۔اس کی شاعری صرف شاعر نہیں بلکہ اس کا لکھا ہوا ایک ایک جملہ، ایک ایک فقرہ اور ایک ایک لفظ یکساں اہمیت کا حامل ہے۔اقبال کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انھوں نے اپنی شعریات کے ذریعے ملت اسلامیہ کو اعلیٰ قدروں سے روشناس کرانے کی کوشش کی۔بلاشبہ ان کی اقدار کا بنیادی ماخذ قرآن پاک اور تعلیمات محمدیہ ﷺ ہیں۔نیز انھوں نے تاریخ اسلام کے روشن گوشوں تک بھی رسائی حاصل کر کے اپنے نظام فکر کے ذریعے اعلیٰ نظام اقدار کی عکاسی کی۔اقبال وہ واحد شاعر ہیں جو لسانی تشکیلات سے لے کر فکر وخیال تک اپنی دنیا آپ پیدا کرتے ہیں اور یہی ان کی عظمت ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد حفیظ الرحمن، مولانا: اخلاق اور فلسفہ اخلاق، مکتبہ اسلامیہ، کراچی، ۱۹۸۰ئ، ص۲
۲۔ خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر: فکر اقبال، بزمِ اقبال، کلب روڈ، لاہور، ۱۹۸۸ئ، ص:۱۲۵
۳۔ محمد احمد خان، اقبال اور مسئلہ تعلیم، مطبع عالیہ، ۱۲ ٹمپل روڈ، لاہور، ص:۱۱
۴۔ سورۃ الحجر، آیت: ۸۵
۵۔ محمود رضوی: اقبال اور عقلیت پسندی، قومی پریس، ریٹی گن روڈ، لاہور، س ن، ص:۲۴
۶۔ محمد اقبال، علامہ: علم الاقتصاد، ناشر نامعلوم، س ن، ص:۳
۷۔ محمد احمد خان: اقبال اور مسئلہ تعلیم، ص:۵۲